لندن فیض میلہ: فیض کا فیض اب بھی جاری ہے

تحریر: سہیل احمد لون

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں ارتقائی عمل جس برق رفتاری سے اپنی منازل طے کر رہا ہے ایسا پہلے تاریخ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انٹرنیٹ کی سہولت موبائل فون پر دستیاب ہونے کے بعد ہر بے روزگار شغلِ بیکار میں مصروف ہو گیا ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے اب سب کو ''کام'' پر لگا دیا ہے ۔ یورپ، امریکہ، برطانیہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک میں مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ لوگوں کے پاس زندہ رہنے کیلئے بھی وقت نہیں۔ یہاں لوگوں نے براق سے ریس لگا رکھی ہے، اشرف المخلوقات صرف اپنے آپ کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے کیلئے ہر وقت دوڑے چلا جا رہے ہے اور پھر یک لخت سب کچھ رک جاتا ہے' جیسے کچھ کسی کا تھا ہی نہیں۔ نفسا نفسی کے اس دور میں احترام، محبت، خلوص اور ادب کے رشتے جنس نایاب ہو چکے ہیں۔ ترقی یافتہ دور میں ادب وہ نایاب چیز ہے جس کے لیے آج کے بزرگ ترستے ہیں۔ بُری معیشت پہلے سماجی رشتوں کو بے توقیر کرتی ہے اور اُس کے بعد سب کچھ حقیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جہاں بزرگوں کا ادب کمیاب ہو جائے وہاں ادب بھی برائے ادب رہ جاتا ہے۔ برطانیہ میں اتنے پاکستانی مقیم ہیں کہ اُنہوں نے ایک چھوٹا سا پاکستان یہاں بھی بنا رکھا ہے۔ اس لیے مذہبی اور قومی تہواروں کو مناتے ہوئے غریب الوطنی کا احساس کم ہوتا ہے۔ اہلِ رجحان دنیا کے کسی بے خطے میں ہوں اپنی ثقافت اور ادب سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ سے اکثر کتب کی تقاریبِ رونمائی اور مشاعروں میں جانے کی سعادت نصیب ہوتی رہتی ہے۔ ادب کھانے پینے کی طرح ہر شخص کی ضرورت نہیں' اس کیلئے اللہ نے خاص دل مخصوص کیے ہوئے ہیں سو'' یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گیا نہیں جاتا'' اس لیے اس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بھی اہلِ کتاب پیغمبروں کی طرح کم ہی ہوتی ہے ۔ شاعر حضرات باری باری اپنا کلام سنا کر ایک دوسرے کو داد دے کر اگلے مشاعرے تک سرشار پھرتے رہتے ہیں۔ وطن عزیز کے ایک صدارتی ایوارڈ یافتہ شاعر کے اعزاز میں منعقد ادبی تقریب میں جا کر مزید حیرانگی اور شرمندگی بھی ہوئی کہ جہاں انتظامیہ، اور میڈیا کے علاوہ بمشکل درجن بھر سامعین موجود تھے۔ یہاں ادبی محفلوں میں فری انٹری کے علاوہ کھانے پینے کا مفت انتظام بھی کیا جاتا ہے مگر پھر بھی حاضرین کی تعداد مایوس کن ہی ہوتی ہے' اس کی سائنسی وجہ کیا ہے میں دریافت کرنے کی بھرپور کوشیش کر رہا ہوں۔ اس وقت برطانیہ میں ادبی تنظیمیں کی تعداد ڈھاکہ کی مساجد سے زیادہ ہیں لیکن پروگرامز میں شرکا کی تعداد میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں ۔ اگر ان حالات میں ملکہ کے شہر لندن میں' سینکڑوں افراد کسی شاعر کو نہیں بلکہ اس کی سوچ، افکار اور کلام کو سننے کے لیے 10 پاؤنڈ کی ٹکٹ خریدیں اور وہاں کھانے پینے کی اشیاء بھی مفت دستیاب نہ ہوں بلکہ جیب ہلکی کرنا پڑے تو یہ اس بات پر معتبر ترین دلیل ہے کہ شاعر کے کلام میں کچھ ایسی بات ضرور ہے جسے لوگ سننے کے لیے اپنا قیمتی وقت اور پیسہ خرچتے ہوئے دریغ نہیں کرتے۔

یہ فیض کا جاری و ساری فیض ہے جس سے لوگ آج بھی فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہیں گے۔ برادرم خواجہ جمشید امام نے فیض

کی شاعری پر تنقیدی مضمون میں کیا خوبصورت لکھا ہے کہ ''فیض کی شاعری مارکسی فلسفے کی جمالیاتی تشریح ہے''۔جیسے پڑھنے کے بعد برادرم ڈاکٹر لال خان نے کہا تھا کہ میں نے فیض کی شاعری پر اس سے خوبصورت بات آج تک نہ تو سنی ہے اور نہ ہی میرے مطالعہ سے گزری ہے۔فیض پسے ہوئے مظلوم طبقوں خوبصورت ترین شاعر ہے جس نے انسانیت کو درپیش مسائل کو ہر طرح کی وطن پرستی اور مذہبی تصورات وخیالات سے بالاتر ہوکر اپنے موضوعات کیلئے موزوں کیا ہے۔

گئے برسوں کی طرح اس سال بھی لندن میں فیض میلے کا اہتمام فیض کلچر فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام کیا گیا۔فیض میلہ کی انتظامی کمیٹی کے تمام ممبران مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ پروگرام کامیابی سے ترتیب دیا۔فیض میلہ میں وزیر اعلی بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک نے خصوصی شرکت کی۔ان کے علاوہ واجد شمس الحسن، سلیمہ ہاشمی، ضیاء محی الدین، سردار مظہر علی، حاصل بزنجو، حارث خلیق، ایوب اولیاء، تنویر زماں، عاصم علی شاہ، ڈاکٹر رحمٰن کے علاوہ دیگر مقررین نے فیض احمد فیض کی شاعری اور افکار کی نئی جہتوں سے متعارف کروایا۔فیض کی نظم پر ڈرامہ پیش کیا گیا۔جواد احمد نے فیض کے کلام کے علاوہ دیگر گانوں سے حاضرین کو پہلے مسرور، پھر مسحور اور پھر نعرہ زن کر دیا۔بنیا کمار، ڈاکٹر جمیل، نجمہ اختر اور سنگیتا بہادر نے فیض کا کلام ترنم سے پڑھ کر داد وصول کی۔کمسن بچی نش نے فیض کا کلام گا کر سنایا جبکہ پرنیہ پرائس نے فیض کی نظم پر رقص پیش کیا۔ان بچیوں کا برطانیہ میں پیدا ہوکر پاکستانی ادب وثقافت سے لگاؤ قابل ستائش ہے۔اس پروگرام میں، معروف سیاسی، سماجی، ادبی شخصیات کے علاوہ میڈیا ممبران اور مختلف مکتب ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے بھرپور شرکت کی، فیض کی محبت نے سب کو یکجا کر دیا۔پروگرام کی کامیابی دیکھ کر یہ بات عیاں ہے کہ ترقی پسند افکار اور سوچ ہی سماج کے ارتقاء میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ماؤ نے کہا تھا ''تم ایک دریا میں دوبار نہیں نہا سکتے'' سمے کا پنچھی ہر لمحے کھلی فضاؤں میں آگے بڑھتا رہتا ہے بالکل اُسی طرح جیسے آج فیض کی سوچ اگلی نسل کو منتقل ہو رہی ہے۔پاکستان کے موجودہ حالات کو درست کرنے کا آسان ترین حل بھی یہی ہے کہ ریاست ترقی پسند سوچ کے ساتھ کھڑی ہو کہ یہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور اکیسویں صدی کا تقاضہ بھی۔اس وقت مٹھی بھر دہشتگردوں نے خدا کے نام پر خدا کی مخلوق کا قتل عام کر کے پاکستان کا چہرہ مسخ کر رکھا ہے۔لمحہ فکریہ تو یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں پڑھے لکھے سیاسی قائدین جن کی زندگیوں کا بیشتر حصہ برطانیہ جیسے لبرل ملک میں گزرا ہے وہ بھی انتہا پسندوں سے نہ صرف مذاکرات کے حامی ہیں بلکہ قبائلی بربریت کو اسلام اور ڈرون حملوں کا ردعمل ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔۔اندھیرا دور کرنے کے لیے اجالا کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی انتہا پسند سوچ کے خاتمے کے لیے ترقی پسند سوچ کو فروغ دینا ضروری ہے۔وطن عزیز میں دہشت گردی کا طوفان جو تھمنے میں نہیں آ رہا اس کی بنیادی وجہ انتہاء پسند سوچ کا ہمارے اداروں میں سرایت کرنا بھی ہے۔اس وقت کالعدم تنظیموں اور طالبان کے علاوہ ریاست کے تمام اداروں میں ایسے افراد کی کثیر تعداد موجود ہے انتہا پسندی کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔جس کا ثبوت حساس اداروں کے ہیڈ کوارٹرز سمیت دیگر مقامات میں دہشت گردی کے واقعات، دہشت گردی میں ملوث افراد کا باعزت بری ہوجانا اور اگر سزا ہو بھی جائے تو جیل سے فرار کروا دینا یا خود ہی چھوڑ دینا ہے (جو اندرونی معاونت کے بغیر ممکن نہیں)۔جن درندوں سے ہماری مساجد، مزار، جنازے، بازار، گلیاں، ذرائع نقل وحمل، عبادت گاہیں، ہسپتال، کھیل کے میدان، معصوم بچے، طالبات، سکول اور حق گو محفوظ نہیں ان سے مذاکرات

کی بات کرنا بدترین طالبانیت ہے؟مذہب انسان کا ذاتی مسئلہ ہے اب اس میں انتہا پسندی داخل ہو چکی ہے۔گزشتہ کچھ برسوں سے شیعہ، مسیحی، احمدی، اور دیگر اقلیتوں کو عقیدے کی بنیاد پر دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے جس سے بیرون ممالک میں نہ صرف پاکستان کا امیج خراب ہو رہا ہے بلکہ مسلمان کو دہشت گردی کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔فیض احمد فیض، استاد دامن اور حبیب جالب جیسے شعراء کی ترقی پسند سوچ کو اپنی زندگیوں میں شدید مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر انہوں نے اپنا ضمیر اور قلم کبھی نہیں بیچا۔انتہا پسندوں کی تعداد کم مگر منظم بہت ہیں ان سے نبٹنے کے لیے ترقی پسندوں کو بھی منظم ہو کر کام کرنا ہوگا۔آگے بڑھنا ہوگا کہ فیض کی شاعری کا یہی آدرش ہے۔ہمیں ابھی آگے بڑھنا ہے، بہت آگے کہ اُس صبح نور کو دیکھ سکیں جس کیلئے ہمارے آباواجداد نے خون کے کتنے ہی دریا عبور کیے تھے۔فیض امن کا شاعر تھا، رنگ اور پھولوں کا شاعر تھا، پیار اور محبت کا شاعر تھا لیکن آج فیض کا دیس اُسی فکر اور سوچ کی نذر ہو رہا ہے جس سے فیض نے ہمیشہ حکمرانوں اور بالا دست طبقات کو آگاہ کیا۔وہی جبر کی سیاہ رات ہے اور وہی انسان کی قسمت۔کچھ نہیں بدلا اور اگر کچھ بدلا ہے تو نئے طبقات اور جبر کے نئے طریقے سو ہمیں نئے فیض کی بھی ضرورت ہے اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب اس طرح کے پروگرام پاکستان کے ہر شہر میں ہوں جیسے برطانیہ میں ہو رہے ہیں لیکن شاید وہ کچھ طاقتوروں کو ابھی قابلِ قبول نہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

27-09-2013.